© rasailojaraid.com

قانونِ بقائے انفع

اجتماعیات میں تحفظِ حق و عدل کا فطری اہتمام

(از جناب نسیم صاحب صدیقی)

(۳)

بحث کے مبادیات طے ہو چکے ہیں اور اب ہمیں جماعتوں کی "حیاتیات" (Biology) کے بڑے بڑے اصولوں کی ایک جھلک دیکھ لینی چاہیے تاکہ ہمارے دعویٰ کی تصدیق یا تردید ہو جائے۔ اگر ہم یہ جان لیں کہ جماعتوں کا ظہور کیونکر ہوتا ہے وہ ارتقا کیسے کرتی ہیں، اقتدار سیاسی سے کیسے کام لیتی ہیں اور ان کا خاتمہ کیونکر ہوتا ہے تو ان معلومات سے وہ اصول اخذ ہو سکتے ہیں جن کی روشنی میں ہم یہ طے کر سکیں کہ "خدمت" ان کے لیے وجہِ قوت ہے یا ظلم؟

جماعتوں کا ظہور جماعتوں کا ظہور اس طرح نہیں ہوتا جیسے ایک مقررہ وقت گذرنے کے بعد کسی خاص فصل کے اگنے کا موسم آجاتا ہے اور ہمیشہ آتا رہتا ہے۔ جماعتوں کی پیدائش اصولِ تناسل پر بھی نہیں ہوتی کہ ایک جماعت سے دو اور دو سے چار بنتی چلی جا رہی ہوں، چاہے ان کی کوئی ضرورت ہو یا نہ ہو ــــ جماعت ایک اخلاقی ضرورت پورا کرنے کے لیے وجود میں آتی ہے، بلکہ وجود میں لائی جاتی ہے۔ کسی بھی جماعت کی علتِ ظہور دریافت کرنے کے لیے تاریخ سے سوال کیجیے، وہ آپ کو ایک ہی جواب دے گی کہ ہر جماعت کا ظہور خاص اس وقت ہوا ہے جب کسی انسانی آبادی میں نظامِ رواں کے باطل پر مؤسس ہونے اور ظلم پر کارفرما ہونے کا احساس پھیل نکلا ہے۔ بقول چارلس ڈاونز ہیرن:-

"ہر برائی خود اپنے ازالہ کا مطالبہ کرتی ہے"۔

مرض خود مریض کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے نجات دلائے۔ اسی طرح جب بھی کوئی نظام اپنے زیرِ اثر حلقہ میں کچھ لوگوں کو دبا کچل کر رکھتا ہے تو قانونِ فطرت کے دباؤ سے وہی لوگ اسے ختم کرنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن فرعون کے دور کے متعلق کہتا ہے کہ "فرعون زمین میں سرکش ہو رہا تھا اور اس نے ملک کے لوگوں کو طبقوں میں بانٹ رکھا تھا تاکہ وہ ایک گروہ کو کمزور کر رکھے اور اس غرض کے لیے وہ اس کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا تھا اور اس کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یقیناً وہ مفسد تھا۔ پس ہم نے چاہا کہ مستضعفین یعنی مظلوموں پر احسان کریں اور انھیں ملک کی سرداری اور وراثت عطا کریں اور ان کے قدم جما دیں (نمکن فی الارض بخشیں) اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ انجام دکھا دیں جس سے وہ خوف کھاتے تھے"۔ اس ارشاد میں فطرت کا جو محکم قانون بیان ہوا ہے عین وہی اس وقت ہمارے مدِنظر ہے۔ یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کسی گروہ کا اقتدار کسی انسانی عنصر پر ظلم ڈھاتا ہے تو نظام فطرت اسی مظلوم عنصر کو اس کی سرکوبی کے لیے کھڑا کر دیتا ہے۔ اس طرح[1] برائی خود اپنے ازالہ کا سامان کرتی ہے۔

پس جس اقتدار نے اپنے نظام کی اساس غلط نظریات پر رکھی ہو اور انسانی فطرت کے مختلف تقاضوں کو عادلانہ طریقے سے پورا کرنے کے لیے مناسب ضابطۂ حیات مہیا نہ کیا ہو، اس کے زیر اثر جو آبادی بس رہی ہے، دھیرے دھیرے اس پر زندگی تلخ ہونے لگتی ہے، غلط نظریات اور غلط قوانین پر کاربند رہنے کے نتائج ابھرنے لگتے ہیں اور اس وقت لوگ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ زندگی کی تنظیم میں کچھ "غلط" کیا گیا ہے۔ یہ احساس تحفظ حق و عدل کے فطری قانون کے ماتحت ہی رونما ہوتا ہے اور یہ جب عام ہو چکتا ہے تو تغیر کی خواہش ابھر آتی ہے اور یہ وقت ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی "پس چہ باید کرد" کی صدا لگانے لگتی ہے۔

اس آواز کے جواب میں اجتماعی فکر کی کھیتی اپنا سب کچھ باہر اگل دیتی ہے اور مفکرین وقت اپنی بساط کے مطابق یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نظام رواں کی اساس میں فلاں فلاں موقع پر حق کی جگہ باطل کا دخل ہو گیا ہے اور فلاں فلاں رخنوں سے ظلم گھس آیا ہے اور اب ظلم و باطل کا سدباب کرنے کیلیے ان ان فکری و عملی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

یہ موقع کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ادھر تو انسانیت کے اجتماعی دکھوں کے معالجے کے لیے دیانتدار اور اہل حکمت اطبا اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں اور ادھر پیٹ کے بندے "عطائی" اپنے تھیلے اور صندوقچے اٹھائے آموجود ہوتے ہیں اور پھر ان مختلف قسم کے معالجین کا گروہ نظم اجتماعی کی "بیماری" کی مختلف توجیہیں کرتا ہے کہ مریض نے فلاں فلاں بے احتیاطیاں کیں، غذا میں فلاں فلاں مضر عناصر شامل ہو گئے تھے، فلاں فلاں اعضا پر مختلف وجوہ سے زیادہ بار پڑا ہے اور اب علاج کے تقاضے یہ ہیں۔

اس طرح نظری اور عملی تغیرات کی متعدد دعوتیں نمودار ہو جاتی ہیں، ان کے علمبرداروں میں خدمت پیشہ مخلصین بھی موجود ہوتے ہیں اور انتفاع پیشہ بکار بھی۔ اور پبلک بہرحال ادھر کھنچتی ہے جدھر اسے حق و عدل کا عنصر زیادہ نظر آتا ہے، "ہوتا ہے" کی بات نہیں کی جا رہی ہے بلکہ "نظر آتا ہے" کے الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں۔ پھر اگرچہ ابتداءً متعدد گروہ نشوونما پانے لگتے ہیں مگر لوگوں کو جن کے پاس حق و عدل کی متاع نسبتاً زیادہ نظر آتی ہے وہ دوسروں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور آخر کار غلبہ اسی ایک جماعت کے لیے ہوتا ہے جو "انفع" یا[2] "انفع نما" ہو۔

آپ چھوٹے پیمانہ پر مختلف ممالک کے پارلیمنٹری انتخابات کی تاریخ پر نظر ڈالیے، کتنی ہی مختلف طاقتیں میدان میں

---

[1] یہ ایک الگ بات ہے کہ علمی اور عملی دونوں پہلوؤں سے انسان میں ایسی بڑی بڑی کمزوریاں موجود ہیں جن کے زیر اثر وہ مروجہ نظریات باطل سے بغاوت کرنے کے لیے دوسرے نظریات باطل کا مومن بن جاتا ہے یا غلط از عملی نظام کو توڑنے کے بعد خود جو نظام بناتا ہے اس میں بھی ظلم ایک نئے روپ میں آگھستا ہے لیکن اتنی بات قطعی ہے کہ انسان کی طبیعت باطل اور ظلم کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ [2] یہ ضروری نہیں کہ کسی سو فیصدی باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے سو فیصدی حق کی متاع کسی جماعت کے پاس ہو، نہیں دس فیصدی حق بھی صفر فیصدی حق کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اب جس جگہ دس فیصدی اور پندرہ فیصدی اور تیس فیصدی حق کو لے کر جماعتیں اٹھیں وہاں تیس فیصدی حق والی آگے آ جائے گی اور وہی انفع یا "انفع نما" شمار ہو گی۔ اس کے انفع یا انفع نما ہونے کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ اس کی متاع سو فیصدی حق و عدل کی متاع ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابھرتی ہیں مگر جھٹ سے آگے وہی جماعت آتی ہے جو ملک کی آبادی کے لیے انفع یا نفع نما ہو۔ یعنی فی الواقع اس سے زیادہ سے زیادہ خدمت کی توقع کی جاسکے۔ یا وہ اپنے زیادہ سے زیادہ خادم ہونے کا یقین عوام کو دلانے میں کامیاب ہو سکے لیکن بعد میں جب اس کی فریب کاری کی قلعی کھل جاتی ہے تو وہ اٹھا کر الگ پھینک دی جاتی ہے اور ایک نئی طاقت آگے ہو جاتی ہے۔

بہر حال "ظہورِ جماعت" کی لازمی علت ظلم و باطل کے نتائج و اثرات سے بچنے کی نیم شعوری خواہش ہے جو انسان کی اجتماعی نفسیات کا ایک فطری عمل ہے۔ یہ عمل اس بات پر گواہ ہے کہ انسانیت ظلم و باطل سے حق و عدل کی طرف حرکت کرنے پر مجبور ہے۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو کوئی نمایاں مثال تاریخ سے ایسی نکال کر دکھائیے کہ کسی سیاسی جماعت کا ظہور اس حال میں ہوا ہو کہ نظامِ رواں سراسر حق و عدل کا نظام ہو، اور اس کے زیر سایہ بنی آدم کی زندگی امن و مسرت کے ساتھ گزر رہی ہو۔ یا یہ کہ کسی جماعت نے اپنے وجود کا ناگزیر ہونا اس استدلال سے ثابت کیا ہو کہ چونکہ نظامِ رواں تمام تر حق و عدل کا مجموعہ ہے اور اس کے سایہ میں انسان امن و مسرت سے بہرہ ور ہو رہا ہے اس لیے مجھے اس کو بدلنا ہے اور اس غرض کے لیے قوت ولکن کو ایک نقطہ پر مرتکز کرنا ہے۔ یقیناً ایسی کوئی مثال تاریخ کی مدد سے کسی قیمت پر بھی نہ مل سکے گی! ــــ پھر فرمائیے، کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جماعتوں کا وجود ہوتا ہی ظلم اور باطل کے قلع قمع اور حق و عدل کے قیام کے لیے ہے۔ اور اسی کا وہ دعویٰ رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم "جماعت" کو ایک اخلاقی وجود قرار دیتے ہیں جو ایک فطری غرض کو پورا کرنے کے لیے انسانی ارادہ کے ماتحت نمودار ہوتا ہے۔

جماعتوں کی دعوت جماعتوں کی دعوت کی فطرت کیا ہے؟ حمایتِ حق و عدل، یا اعانتِ ظلم و باطل؟ ــــ جیسا کہ ابھی گزشتہ سطور میں ہم عرض کر چکے ہیں، ہر جماعت زندہ رہنے اور پھیلنے اور قوت پانے کے لیے اپنی اخلاقی حیثیت کو قوی بنانے پر مجبور ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نظامِ رواں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو جن کے نیچے مظلوم پڑے کراہ رہے ہیں، ایک ایک کرکے نمایاں کرے اور صاف اور سادہ تنقید سے یہ ثابت کردے کہ اس کی تشخیص بالکل صحیح ہے، پھر جن غلط نظریات اور ظالمانہ ضوابط کی وہ نشاندہی کرے ان کی جگہ لینے والے صحیح نظریات اور عادلانہ ضوابط کا ایک نیا مجموعہ اس انداز میں پیش کرے کہ لوگ اس مجموعہ کے عناصر کے کھرے پن پر مطمئن ہوجائیں، اس کے اثباتی نظریات کے حق ہونے اور تعمیری ضوابط کے منصفانہ اور مطابق فطرت ہونے کو تسلیم کرلیں۔ فلسفہ اور علم النفس اور سیاست اور معیشت اور سائنس سارے علوم ان کی تائید کرنے والے ہوں۔ صرف یہ راستہ ہے جماعتوں کے فروغ پانے کا اور صرف یہی راستہ ہے جسے ہر جماعت نے اختیار کیا ہے۔ دعوت کا تنقیدی و تخریبی پہلو "جو کچھ ہے" کے مظالم و مفاسد کا تعین کرتا ہے اور لوگوں کو اس سے شعوری نفرت دلاتا ہے اور اس کا اثباتی و تعمیری پہلو "جو کچھ ہونا چاہیے" کی صحت و درستی کا یقین دلاتا ہے اور لوگوں کو اس کے لیے قربانیاں کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ "ہے" کی صحت و درستی ثابت کرکے اور "چاہیے" کی کوتاہی اور نادرستی کا یقین دلا کر کوئی جماعت ابھر سکے۔ نہ ایسی دعوتیں کبھی ابھری ہیں اور نہ کبھی انہیں مقبولیت حاصل ہو سکی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ واضح رہے کہ "خدمت پیشہ" اور "انتفاع پیشہ" یا "نفع" اور "انفع نما" جماعتوں کے طریقِ دعوت میں ایک نازک سا فرق ہوتا ہے جسے محسوس نہ کر سکنے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ عوام دھوکا کھا جاتے ہیں بلکہ بہت سے خواص بھی اس معاملہ میں "عوام" ثابت ہوتے ہیں۔ عملی سیاست کی دنیا ہی میں نہیں، بلکہ جماعتوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے "محققین" تک اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پھسل جاتے ہیں۔

"انفع" جماعتیں چونکہ اس متاع کی سرمایہ دار ہوتی ہیں جس کی اصلاً اجتماعی ذہن میں قدر ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنے آپ کو بالکل سادگی سے پیش کرتی ہیں۔ ان کے نظریات منطقی، پیچ پیچ سے خالی اور عقلِ عامہ کو مطمئن کر سکنے والے ہوتے ہیں اور ان کی عملی کارروائیاں ریاکاری سے ملوث نہیں ہوتیں اور سلیم الفطرت فرزندانِ آدم رفتہ رفتہ ان کی طرف کھنچ جاتے ہیں۔ لیکن انتفاع پیشہ یعنی "انفع نما" جماعتوں کا طریقِ دعوت سادہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ایک ایسی متاع لیے کھڑی ہوتی ہیں جو اصلاً مقبولِ انسانیت نہیں ہے۔ وہ مجبور ہوتی ہیں کہ اپنے اصل فلسفہ اور پروگرام پر نمائشی حرکات اور فریب انداز پروپیگنڈے کا ایک ایسا رنگین و نقشیں خول چڑھائے رکھیں جو عوام کی "نظربندی" اس حد تک کر سکے کہ دام آنکھوں کے سامنے بچھا ہو مگر نظر نہ آئے۔ ان جماعتوں کو بے انصافی اور ظلم کے اثبات، یعنی فطرتِ انسانی کے انفرادی، اجتماعی اور نوعی مطالبات کو پورا کرنے میں عدمِ توازن اور عدمِ توافق کو برحق دکھانے کے لیے کائنات، زندگی، انسان، اخلاق، تمدن، سیاست، معیشت اور معاشرت کے صحیح اساسی نظریات سے انحراف ناگزیر ہوتا ہے، اس لیے انھیں دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے نہایت پیچیدہ اور پُراسرار فلسفے تراشنے پڑتے ہیں۔ یہ فلسفے اور استدلال اگرچہ گرہوں کو کھولنے کی جگہ ژولیدہ تر کرتے جاتے ہیں اور ان میں انسان کو مطمئن کرنے کی اہلیت ہرگز نہیں ہوتی، مگر رنگین عبارت آرائیاں، چلتے ہوئے چست فقرات اور مرعوب کن اصطلاحات جو ان میں استعمال کی جاتی ہیں، وہ ایسی تیر بہدف ثابت ہوتی ہیں کہ دنیا مفتوح ہو کے رہ جاتی ہے ---- اس بری طرح مفتوح ہوتی ہے کہ فاتح شاید دل ہی دل میں اس کی حماقت پر ہنستے رہ جاتے ہیں کہ یہ انسانوں کا گلہ بھی کیسا سادہ لوح ہے کہ "زہر" کے بجائے "گڑ" سے مرا جاتا ہے۔ لیکن انسانوں کا گلہ کرے بھی کیا کہ اس پر حملہ آور چاروں طرف سے یک بارگی حملہ کر دیتے ہیں، کوئی اپنا پیغام فلسفوں کی شکل میں، کوئی سیاسی پروگرام کی شکل میں، کوئی ادبِ لطیف کی شکل میں، کوئی منظومات کی شکل میں، سنائے چلا جا رہا ہے اور سننے والوں کو سوچنے کا موقع نہیں دیتا۔ پھر اسٹیج سے، پریس سے، سینما سے، ریڈیو سے، غرض ہر مورچہ سے تباہ کن حملے ہونے لگتے ہیں۔ آخر لوگ شکست مانتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایک "انفع نما" جماعت تمکن کے تخت پر ظلم کی تلوار برہنہ کر کے جا بیٹھتی ہے۔

ادھر عملی سیاست کے میدان میں ایسی جماعتوں کے کارنامے کیا ہوتے ہیں؟ جلسے، جلوس، فوجی مارچنگ، بینڈ، باجے، جھنڈے، وردیاں، اعلان، بیان، تجاویز، ریزولیوشن وغیرہ کا ایک سیلاب امڈنے لگتا ہے اور اس قسم کا سیاسی عیاری پن جب شہر شہر اور قریہ قریہ میں پھیل جاتا ہے تو ملک سمجھتا ہے کہ سبحان اللہ کتنی کارکن اور فعال جماعت ہے اور کس سرگرمی سے تنظیم کر رہی ہے اور بس پھر بے بس ہو کر لوگ اسی طرح اژدحام کر کے ان تنظیموں میں جذب ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگتے ہیں جس طرح کسی سرکس اور تھیٹر کے اندر لوگوں کا داخلہ ہوتا ہے۔ اب ان تنظیموں کا قدم جتنا جتنا آگے بڑھتا جاتا ہے "نمائش کاری" اتنی ہی زیادہ چمک دمک کے ساتھ جاری ہو جاتی ہے۔ اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد تو ان میں پوری طرح آنکھیں چندھیا دینے والی براق نمود اور ہو جاتی ہے، جیسا کہ "اندھا شاہی نظام" کے متعلق گاڈون کہتا ہے کہ:-

"اندھا شاہی بہر حال ایک شر ہے۔ اس کے علمبردار تزک و احتشام کے مظاہروں اور نمائشوں کے بل پر پُل دے جاتے ہیں اور اجتماعیات میں وہ ایک جھوٹی قدر حاصل کر لیتے ہیں"۔

ہمارے نزدیک یہ صورت اندھا شاہی نظام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر انتفاعی نظام کا خاصہ یہی ہے۔ "جناب" میکیاویلی اقتدار ناروا کے حصول اور تحفظ کے لیے بالکل اسی اصول پر مشورہ دیتے ہیں کہ:-

"میں یہاں تک کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اپنے اندر خیر و خوبی کی مختلف اقسام کا رکھنا اور پھر ہمیشہ ان کے تحفظ کی کوشش کرنا تو مضر مقصد ہے، مگر ان کے ہونے کا عیارانہ اظہار کرنا مفید مطلب ہے — مثلاً رحم دلی، راسخ الاعتقادی، انسانیت پروری، مذہب پسندی وغیرہ میں بڑھے چڑھے ہونے کا اظہار!"

گویا سیاست جدیدہ کا پدر محترم بھی یہ مانتا ہے کہ دنیا میں ان خوبیوں کی قدر ہے اور ان کے اظہار ہی سے مطلب نکالا جا سکتا ہے اور دوسری طرف اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ انسانی ذہن دھوکا کھا سکتا ہے۔ یہی ہم کہہ رہے ہیں کہ بددیانت لوگ، دیانتداری کی قبا اوڑھ کر آگے آ سکتے ہیں۔

اقتدار کی ہوس کے ماتحت انتفاع پیشہ گروہوں نے ہی جدید دور کے پروپگنڈہ کے فن کی تشکیل کی ہے اور اسے مسلسل ارتقا دیا ہے۔ یہ لوٹ مار کرنے والے، یہ غلام بنانے والے، یہ انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے گروہ اگر مقتدر نظر آتے ہیں تو فقط اسی نمائش، فریب اور ساحری کے بل پر جس کا ایک پہلو پروپگنڈہ ہے اور دوسرا "حکمت عملی"! اور جس قدر یہ عناصر کسی گروہ میں زیادہ ہوتے ہیں، اتنا ہی وہ زیادہ عیار اور زیادہ مکار ہوتا ہے اور زیادہ صفائی سے اپنی بد باطنی کو چھپا کر جھوٹی قدر و قیمت حاصل کر لیتا ہے۔

ذرا ملاحظہ کیجیے یورپین اقوام کی نوآبادیاتی پالیسیوں کو، ذرا غور سے دیکھیے یک جماعتی ریاستوں کی روش کو، ذرا توجہ فرمائیے اعلانات جنگ اور مقاصد جنگ کی توضیحات پر، ذرا مطالعہ کیجیے نظام امن کی تجاویز کا — آپ دیکھیں گے کہ "اقوام شکار" اقتدار والوں نے اپنے اخلاقی تعفن کو عطر پاشیوں سے چھپانے میں کتنے کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

آخر جس کے پاس کھرا مال ہو اسے چرب زبانی اور عیارانہ اشتہار بازی اور فریب کارانہ پیکنگ کی ضرورت کیا ہے لیکن جس کا مال کھوٹا ہے وہ اگر زبان اور دماغ سے کام لینے میں زیادہ چستی نہ دکھائے گا تو کون اس کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ "سیاسی منڈی" کے بے ایمان تاجر مجبور ہیں کہ آدمی کی معاشی اور عقلی اور نفسیاتی اور صنفی کمزوریوں کو تاک تاک کر نشانہ بنائیں اور حکمت لادین کو آدم کشی میں استعمال کریں۔

"حکمت ارباب کیں مکر است و فن
مکر و فن، تخریب جاں، تعمیر تن"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر جب ایسے گروہ مقتدر ہو جاتے ہیں تو مکاری کے ساتھ قہاری اور ساحری کے ساتھ قاہری بھی آ شامل ہوتی ہے اور جب یہ "شیطان زادیاں" ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خرام ناز فرماتی ہیں تو چاروں طرف بسمل ہی بسمل نظر آتے ہیں، مگر فطرت ان کی خدائی کا نقش محو کرنے کے لیے از سر نو انسانی ارادہ کو اکسا دیتی ہے۔

طریق دعوت کا یہ انداز بتاتا ہے کہ دروغ کو فروغ حاصل کرنے کے لیے اور ناجائز اقتدار طلبی کو سر اٹھانے کے لیے بڑی ہی بناوٹوں اور بڑی ہی چالبازیوں سے کام لینا پڑتا ہے، وہ اگر اپنے آپ کو بغیر کسی دلفریب نمائش و آرائش کے پیش کردے تو شاید کوئی اس کے منہ پر تھوکنے کے لیے بھی تیار نہ ہو۔ جیسے ایک سیدھی سادی گرہستن کو سوسائٹی میں شرف حاصل کرنے کے لیے کسی خاص کارروائی کی ضرورت نہیں، مگر ایک بیسوا کو سوسائٹی سے اپنا وجود برداشت کرانے کے لیے زرق برق لباس اور قیمتی زیورات اور غازوں اور گلگونوں کی ضرورت ہے۔

پس یہ واضح ہے کہ ہر جماعت کو ظلم اور باطل کا دشمن اور حق اور عدل کا علمبردار ہونا یا کم از کم ثابت کر دکھانا لازم ہے ورنہ اسے بقا نہیں مل سکتی۔ کیا یہ حقیقت اس دعویٰ پر شہادت نہیں دیتی کہ فطرت انسانی حق و عدل کی طلبگار اور ظلم و باطل سے نفور ہے۔

جماعتوں کا نشوو ارتقاء کسی جماعت کا وجود میں آنا تو آسان ہے مگر اس کا تنازع للبقا کی مہم سر کر لینا مشکل ہے۔ لوگ کوئی دعوت سنتے ہی نہیں لپک اٹھتے، بلکہ طرح طرح کے شکوک و شبہات ان کے ذہن کی تنقیدی حس کو بیدار کر دیتے ہیں اعتراضات اور شبہات کا ایک طوفان چاروں طرف اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دعوت کے علمبرداروں کے نظریات اور پروگرام عقل عام کی کسوٹی پر مدت تک پرکھے جاتے ہیں۔ نہ صرف نظریات اور پروگرام، بلکہ ان کے علمبرداروں کا خلوص بھی ناپا تولا جاتا ہے۔ عملی میدان میں لوگ دیکھتے ہیں کہ کسی جماعت کے افراد کی زندگیاں کس نئی چیز کا مظاہرہ کرتی ہیں، ان کے پاس موجود سے "بہتر" کیا ہے اور اپنے نصب العین کے لیے یہ کتنی قربانیاں دے سکتے ہیں یا قربانیوں سے بچنے کے لیے کہاں کہاں "سودا بازی" کا طریق اختیار کرتے ہیں؟ کہاں ان کا فلسفہ ان کے عمل سے متضاد واقع ہوا ہے؟ یہ لوگ ذاتی فائدوں کے لیے مقصد کو بیچ کھاتے ہیں یا نہیں؟ ان کو کام کرنے کے جو مواقع ہیں انھیں خدمت عوام پر صرف کیا گیا یا اپنی کبریائی کا جھنڈا اونچا کرنے کی فکر کی گئی؟ وغیرہ۔

پھر عوام کی تنقید تو خیر درشت نہیں ہوتی، مگر ہر نئی جماعت کو جن قدیم جماعت بندیوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور انھیں ختم کرنے کے لیے جو نئی جماعت بندیاں نمودار ہو جاتی ہیں ان کی طرف سے بڑے بڑے گہرے سوالات جدید دعوت کے فلسفے اور پروگرام کے خلاف اٹھائے جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ عوام میں پھیل جاتے ہیں۔ ادھر عملی میدان میں اس حریفانہ کشاکش کی وجہ سے علمبرداران دعوت کو ذاتی اور جماعتی دونوں پہلوؤں سے بڑے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بڑے بڑے مفاد سے ہاتھ دھونے کی نوبت آتی ہے۔ یہ آزمائش کی بھٹی اس لیے سلگائی جاتی ہے کہ کھوٹ اور میل میدان سیاست سے الگ ہو جائے۔

اس تنقید اور کشمکش کا مدعا بھی یہی ہے کہ حق و عدل کے علمبردار ابھریں اور ظلم و باطل کے فرزند شکست کھائیں۔ عوام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت کرنے والا گروہ آگے ہو جائے اور ان سے نفع اندوزی کرنے والے پیچھے ہٹ جائیں۔ مگر جو بات ہم نے طریقۂ دعوت کے زیر عنوان عرض کی تھی اسی کو یہاں بھی مدنظر رکھیے۔ یعنی انفع گروہ کا سیدھا سادہ فلسفۂ تنقید کی کسوٹی پر اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے اور اس کی عملی سرگرمیاں بھی بے دھڑک آزمائش کی بھٹی سے گذر جاتی ہیں مگر انفع نما گروہ اپنے فلسفہ کو بچانے کے لیے خود کسوٹی ہی کو کھوٹی ثابت کرنے کی فکر کرے گا اور عملی میدان میں بھی آزمائش کی بھٹی سے کترانے کی کوشش کرے گا کبھی اس پر لیکچر دے گا کہ بھٹی کی آنچ انسانی برداشت سے زیادہ تیز ہے اور پھر ہر آنچ کے بعد زیادہ بھڑکیلا ملمع کر کے اپنا مال بازار میں لائے گا۔ اس طرح وہ بقا کے لیے جد و جہد کرے گا۔

لیکن اس "جہد للبقا" میں "انتخاب اقویٰ" کا قانون ہرگز کام نہیں کرتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مقتدر جماعتیں کبھی فنا ہو سکتیں اور مظلوم عناصر کبھی مقتدر ہو سکتے۔ قوی جماعتوں کا مٹ جانا اور کمزور جماعتوں کا طلوع ہونا اس دعویٰ پر گواہ ہے کہ جماعتوں کی جہد للبقا میں انتخابِ اقویٰ کی جگہ "انتخابِ انفع" کا قانون عمل کرتا ہے۔ قوت تو منتہائے مقصود ہے اور اسی کے متعلق ہمارے سامنے یہ سوال حل طلب ہے کہ اس مقصود کو پانے کے لیے کس خصوصیت کی ضرورت ہے۔ یقیناً اس کا وہی جواب ہے جو ہم عنوان کی ابتدا میں عرض کر چکے ہیں کہ دنیا طاقت اس گروہ کے حوالے کرنا چاہتی ہے اور اسے قیادت علیا کا منصب تفویض کرنے پہ مائل ہوتی ہے جس سے اسے "خدمت" کی توقع ہو — سب سے زیادہ خدمت کی توقع! اور جہاں بھی اس کا بس چلے وہ خدائی جتانے والوں کو اقتدار کی طرف قدم بڑھانے سے روکنا چاہتی ہے۔

بہرحال جماعتیں بقا کی یہ جنگ لڑ کر اقتدار کا قلعہ جبھی فتح کر سکتی ہیں کہ وہ حق و عدل کے اسلحہ استعمال کریں۔ اب اقتدار پانے کے بعد انفع اور انفع نما جماعت کو الگ الگ پہچاننے میں کوئی بڑی دشواری نہیں رہتی مخلص انفع جماعت نے تو اقتدار لیا ہی اس غرض کے لیے تھا کہ انسانیت کی خدمت کر سکے۔ پس وہ جس انسانی آبادی سے قوت حاصل کرتی ہے اسی کی خدمت سرانجام دے کر حساب چکاتی جاتی ہے۔ اس طرح خدمت کے کاروبار کا ایک چکر چلتا ہے:۔

"خدمت سے قوت اور قوت سے خدمت"

لیکن انفع نما گروہ کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ جب غالب ہو چکتا ہے تو اس کی بد باطنی کھلتی ہے اور اس نے خدمت سے جو قوت حاصل کی ہوتی ہے اسے دوسری طرف انتفاع میں استعمال کرتا ہے۔ جیسے برٹش پارلیمنٹ عالمگیر نقطۂ نظر سے برطانیہ کی خادم ہے۔ نوآبادیات سے انتفاع کرتی ہے۔ امریکہ کی مقتدر قوت سرمایہ داروں کی خادم اور ادنیٰ طبقات کے لیے ظالم ہے یا کانگریس جو ہندوؤں کے لیے مفید اور مسلمانوں کے لیے مضرتیں کی سعی کر رہی ہے، وغیرہ۔ سو انفع نما جماعت کا عملیہ اس اصول پر ہوتا ہے:۔

"خدمت سے قوت اور قوت سے انتفاع"

مگر پھر بھی "خدمت" سے قطعی خالی ہو کر کسی گروہ کا بقا پانا ناممکن التصور ہے۔ اس کی طبعی ذمہ داری ہی خدمت ہے۔ بس ظلم اس وجہ سے نمودار ہوتا ہے کہ خدمت کا دائرہ سکڑ کر پوری اولادِ آدم کو اپنے دائرہ میں لینے کے بجائے ایک محدود عنصر پر محیط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتا ہے۔ اور یہ تقسیم چونکہ خود ایک ظلم ہے اس وجہ سے اس کے عمل پر خدمت کا اطلاق اصولاً نہیں ہو سکتا۔

بہرحال اس محدود "خدمت" اور "انتفاع" سے تائید و مزاحمت کی جو دو متصادم اخلاقی قوتیں رونما ہوتی ہیں ان کی کمی بیشی آگے چل کر فیصلہ کر دیتی ہے کہ کسی گروہ کو اقتدار کا حق تھا یا نہیں!

جماعتوں کی فنا خود جماعتوں کا مٹ جانا کیا شہادت دیتا ہے؟ وہ کیا چیز ہے جس کے ختم ہونے کے بعد قوموں اور ملتوں کے اجتماعی وجود دم توڑ دیتے ہیں؟ بہرحال جماعتوں کی فنا کا راز توجہ طلب ہے، جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ۔ کیا اس سے ان لوگوں کی رہنمائی نہیں ہوتی کہ کتنی ہی قومیں ٹھکانے لگائی جا چکی ہیں؟ ہاں فی الواقع قوموں اور گروہوں کی موت پر اگر ہم غور کریں تو وہ نکتہ پکڑ سکتے ہیں جو ان کی تباہی کا راز ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اگر سیاسی تمکن کی بنا اور جماعتی زندگی کی بقا محض مادی قوت پر منحصر ہوتی تو جو جماعت ایک دفعہ مادی قوت پالیتی اس کا اقتدار دوامی ہوتا، پھر فراعنہ کی خدائی کبھی نہ مٹتی، نمرود کا تخت کبھی نہ الٹا جاتا، سکندر اور چنگیز کے تاج زمانہ کے سیلاب میں ہرگز نہ بہہ سکتے، زار روس کا نظام کبھی درہم برہم نہ ہوتا۔ کیا وجہ ہے کہ تاجوں کے ہیروں کی چمک ماند پڑ جاتی ہے، تلواریں زنگ آلود ہو جاتی ہیں، عساکر پرشوکت درہم برہم ہو جاتے ہیں اور طاقتور "پرانے" کی جگہ کمزور "نیا" برسر اقتدار ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعتیں جو ایک دفعہ اقتدار کی منزل کو جا پہنچی ہیں، انھیں موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دعاوی کا صدق و کذب اپنی کارگذاریوں سے واضح کریں۔ انھیں ڈھیل دی جاتی ہے کہ تمدن و سیاست کی مشین کو اپنی مرضی کے مطابق چلالیں، تا آنکہ ان کی پوری آزمائش ہو کر عوام پر حقیقت کھل جائے کہ فلاں گروہ خدمت کا علمبردار ہے یا انتفاع کا؟ جب اس امتحان کے نتائج نکل آتے ہیں تو انسانی ارادہ یہ فیصلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے کہ کوئی مدعی خدمت گروہ اپنے دعوئے میں سچا تھا یا نہیں؟ اور اگر اس کا جھوٹ کھل جاتا ہے تو انسانی ارادہ اس کے خلاف زور کر کے اسے ختم کر دیتا ہے۔ فطرت بلا واسطہ جو فرائض سرانجام دیتی ہے ان میں اسے تجربہ کی ضرورت نہیں مگر جو معاملات انسانی شعور کے واسطے سے طے کرنے ہوتے ہیں ان میں انسانی شعور کو تجربہ کرائے بغیر کام نہیں چلتا۔ چنانچہ تاریخ اسی قسم کے لاکھوں تلخ تجربات کا ایک مجموعہ ہے۔ جب کبھی انسان کا اجتماعی شعور کسی گروہ کی طرف انگلی اٹھا دیتا ہے کہ ہمیں اس سے فلاح کی توقع ہے تو فطرت اجازت دیتی ہے کہ اپنے انتخاب کو آزمالو۔ لیکن اپنی سرشت ظلم و باطل کے خلاف جو شدید نفرت دلوں میں پیدا کر دی ہے وہ فطری امتحان میں ناکامیاب ہونے والے گروہ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی نفرت کے ماتحت انقلابی تحریکوں اور جنگوں کا ظہور ہوتا ہے جو اصلاً ظلم و باطل کا قلع قمع کرنے کے لیے نمودار ہوتی ہیں اور اگر خدانخواستہ ظلم و باطل کے خلاف انقلاب اور لڑائی کا ظہور نہ ہوتا تو دنیا جہنم سے ہزار گنی بدتر ہوتی۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ اگر خدا کا قانون ایک انسانی گروہ کو دوسرے گروہ سے متوازن کیا کرتا تو زمین بے امنی کا گھر ہوتی۔ یہ اسی قانون کا فیض ہے کہ ہر گروہ متعدد موت سے بچنے کے لیے کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی حد تک متقدمین کی تاریخ سے عبرت پکڑتا ہے اور اپنے آپ کو بہتر دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

"انفع" گروہ جو نظامِ حق و عدل کا علمبردار ہو، کوئی وجہ نہیں کہ انسانیت اس کے خلاف زور کرے اور انقلاب برپا کرے۔ محدود فتنہ انگیزیاں ان لوگوں کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں جو خود انتفاع کے خوگر رہے ہوں مگر اخلاقی کمزوری کی وجہ سے یہ طاقت نہیں پکڑ سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ خطرہ "نظامِ خدمت" کو ان بیرونی گروہوں سے ہو سکتا ہے جو اس سے پوری طرح متعارف نہ ہوں یا اپنی خداوندیوں کو اس کی تاخت و تاراج سے بچانے کے لیے عوام کو فریب دے کر اس سے لڑا دیں ــــ مگر عین میدانِ جنگ میں نظامِ انفع اپنی اخلاقی بلندیوں سے دشمنوں کو فتح کر سکتا ہے۔ ہاں اگر نظامِ انفع کے علمبرداروں کے سینوں میں جذباتِ خدمت سرد پڑ جائیں اور جذباتِ خودغرضی ابھر آئیں اور وہ اپنے نظام کو انحطاط کی راہ پر اس حد تک دھکیل لے جائیں کہ وہ "غیر انفع" ہو کے رہ جائے اور ظلم و باطل کو وہ اپنے اندر جذب کر لے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ فطرت اور انسانی شعور اس سے کوئی نرمی برتے۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد اسے "امامتِ عصر" کا حق نہیں رہتا۔

دوسری طرف "انفع نما" گروہوں کی ساری انفعیت اسی وقت تک ہوتی ہے کہ انھیں تمکن مل جائے۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اپنی انتفاعی سرگرمیوں کو آشکارا کرنے لگتے ہیں اور اس طرح جتنی جتنی مادی طاقت ان کے خزانے میں زیادہ ہوتی جاتی ہے، عاقبت اندیشی اتنی ہی کم اور عوام کے احساسات سے بے نیازی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ اس مادہ پرستانہ طرزِ عمل سے مادی قوت کا اضافہ اور اخلاقی دیوالیہ پن متوازی طور پر تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اخلاقی دیوالیہ پن کی تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور مظلوم عناصر پوری اخلاقی قوت کے ساتھ انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

یہ صورت تو "درونِ خانہ" نمودار ہوتی ہے مگر ظلم "بیرونِ خانہ" بھی اپنے قاتلوں کو دعوتِ تیغ آزمائی دیتا ہے۔ نظامِ انتفاع اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ "کمزوری" سے فائدہ اٹھائے۔ پس اسے جہاں بھی دنیا میں کوئی کمزور ہیئتِ اجتماعی نظر آتی ہے وہ اسے شکار کر لینا چاہتا ہے۔ پھر دنیا کئی ٹکڑوں میں منقسم اور کئی نظام ہائے انتفاع کا گہوارہ ہے۔ اس وجہ سے ہر قوی گروہ کی نظر قابلِ صید اقوام پر رہتی ہے۔ اس طرح مختلف جماعت بندیوں کی طاقتیں ایک دوسرے کی حریف و رقیب بنتی ہیں اور مزید یہ کہ جہاں رقابت کی کوئی وجہ بالفعل نہیں ہوتی وہاں خود رقابت کا اندیشہ رقابت ہی کا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ یعنی جنگ۔ اس طرح نظامِ انتفاع ہر لحظہ خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ یہ سب اہتمامات گواہ ہیں کہ فطرت انتفاع، ظلم اور باطل کو انسانی زندگی میں متقدر دیکھنے پر راضی نہیں ہے۔

آپ اگر قریب ترین چند صدیوں کی جہانی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ خالص عالمگیر انسانی نقطۂ نظر سے اس طویل دور میں صرف انفع نما جماعتیں ابھرتی رہی ہیں، یعنی جن کے پیشِ نظر محدود انسانوں کا مفاد تو تھا مگر ایک خاص حلقہ سے باہر کی دنیائے انسانیت ان کے لیے ایک شکارگاہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ دور روان کی پوری تاریخ انفع نما جماعتوں کی تاریخ ہے جو اساسی اصولوں میں متحد مگر عملی ضوابط میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

عالمگیر انفعیت جماعتوں کا یہ مسلک کہ ادھر خدمت ہو اور ادھر انتفاع، راستہ میں انسانی نقطۂ نظر سے عدل نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جب یہ روش عدل نہیں ہے تو پھر اس کی اساس جن نظریات پر قائم ہے ان کا باطل ہونا بھی از خود واضح ہے۔ عدل نام ہی اس چیز کا ہے کہ فکر و عمل کے ترازوؤں کے دونوں پلڑے برابر رکھے جائیں۔ اپنی نسل اور دوسری نسلیں، اپنی قوم اور دوسری قومیں، اپنا طبقہ اور دوسرے طبقات، اپنی برادری اور دوسری برادریاں، اپنی ذات اور دوسرے اشخاص ایک ہی کانٹے پر ایک ہی باٹ سے تلیں۔ اگر بحیرۂ روم کے اس جانب آزادی و حریت کا استحقاق بنی آدم کو حاصل ہو تو اس جانب کے انسانوں کو بھی اس کا مستحق مانا جائے۔ اگر عزت و احترام کا حقدار سفید فام امریکن ہو سکتا ہے تو ریڈ انڈین کو بھی اس میں شریک ہونے کا مساویانہ موقع حاصل ہو، پھر اگر انگلینڈ کی سطوت کو بچانے کے لیے انگریز لڑتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ہندوستان کی شوکت کو بحال کرنے کے لیے بھی اسی جانفشانی سے لڑے، چاہے اسے میدان جنگ میں اپنے باپ اور بھائیوں ہی پر کیوں نہ گولی چلانی پڑے۔ اسی طرح روس جو اپنے فرزندوں کو جرمنی کی دست برد سے بچانے کے لیے جان لڑاتا رہا ہے اس کو خود اپنی دست برد سے جاپان، ایران، ترکی اور یورپین ممالک کو بھی بچانا چاہیے۔ اگر اس کے ہاتھ کمزوروں کو دبوچنے کے لیے بے اختیار ہو جائیں تو اس کے لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ ان ظالم ہاتھوں کو کاٹ کے الگ پھینک دے۔ مگر نہیں ان سب گروہوں کی انفعیت محدود ہے۔

عالمگیر انفعیت کی اہمیت کو تو محسوس کیا گیا ہے، اب نہیں بلکہ گذشتہ جنگ عظیم نے ہی انسان کو اس طرف متوجہ کر دیا تھا۔ مگر آہ کہ اس کے لیے صحیح اساسی اصول نہ ملنے اور اس کے لیے پورا خلوص موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ نمودار نہ ہو سکی جمعیت اقوام نے اسی احساس کے ماتحت جنم لیا تھا مگر ناکام مقصد ہو کے آج وہ قبر عدم میں مدفون ہے۔ پھر اسی اساس سے اوقیانوس چارٹر ابھرا لیکن چارٹر کے مصنفین کے غیر مخلصانہ طرز عمل نے اسے اوقیانوس کی لہروں کی نذر کر دیا، پھر سان فرانسسکو میں بظاہر اکابر عالم اسی احساس کے ماتحت سر جوڑ کر بیٹھے مگر یہ کانفرنس بھی امن پسند اور اقتدار پسند عناصر کی داخلی کشمکش سے زیادہ کچھ نہ تھی اور اس میں "نشستند و گفتند و برخاستند" سے آگے اگر کچھ ہوا بھی تھا تو اسے فاتحین عالم کی فاتحانہ حرکات نے دامن وقت سے دھو دیا ہے۔

عالمگیر انفعیت اگر کسی گروہ میں پائی جائے تو اس کی مزاحمت کسی قوت کی طرف سے محض غلط فہمیوں اور بددیانتیوں کے ماتحت ہو گی۔ صحیح معلومات اور خلوص کے ہوتے ہوئے پوری دنیا کے مفاد کے خادموں کی مزاحمت کوئی نہیں کر سکتا اور جو وطنی اور نسلی گروہ بندیاں اس کے مقابلہ میں آتی ہیں ان کے قدم کبھی جم نہیں سکتے۔

عرب کی جماعت اسلامی

اب اس طرز کی جماعت کی مثال دور رواں میں اگر نہ مل سکے تو پھر ہمیں اجازت دیجئے کہ ذرا اور پیچھے ہٹ کر آپ کو ایک ایسی جماعت سے متعارف کرا دیں جس سے آپ کو چاہے محبت ہو یا نفرت مگر ہمارے معیار پر وہی پوری اترتی ہے۔ ہمارے پیش نظر ساڑھے تیرہ سو سال پہلے عرب میں نمودار ہونے والی جماعت اسلامی ہے۔

اس جماعت کا ظہور پوری انسانیت کو ہر نوعیت کے ظلم سے بچا کر عدل کی راہ پر چلانے کے لیے ہوا تھا اور اسی وجہ سے اس کے مسلک کا عنوان ہی "مسلک امن" (اسلام) تھا۔ اس کا بنیادی نظریہ سیدھا سادہ تھا کہ اصلاً اقتدار "خدا" کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے، نہ سیاست میں، نہ معیشت میں، نہ معاشرت میں ـــ اور سب انسان اس کی رعایا ہیں جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہونی چاہیے کہ کوئی حاکم ہو کوئی محکوم، کوئی جابر ہو کوئی مجبور، کوئی ظالم کوئی مظلوم ـــــ یہ مرکزی دعوت اتنی سادہ تھی اور اتنی سادگی سے پیش کی گئی تھی کہ عرب کا ایک جاہل بدو بھی اسے دو سکنڈ میں سمجھ لیتا تھا کہ زندگی پر اس کا اثر کیا ہوگا۔ پہلے مظلوم اور محکوم اور مجبور اس دعوت کی طرف کھنچے اور ان کے ساتھ متقدرین میں سے بھی سلیم الفطرت عنصر نے اس ناقابلِ انکار بنیادی صداقت کو اول ہی میں قبول کر لیا مگر استغلال و ظلم کے کچھ علمبردار اپنے ذاتی مفاد کے تحفظ کے لیے انسانیت کے خیرخواہوں کے مقابلہ میں بھرپور مادی قوت کے ساتھ اڑ گئے، مگر اس گروہ کی اخلاقی قوت نے ان کی مادی قوت کو شکست دے دی۔ اس دوران میں باصطلاحِ جدید "پروپگنڈا" نہیں کیا گیا اور کسی مظاہرہ تنظیم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ بس ایک سیدھے سادے اصول کی تبلیغ تھی اور اسی کے مطابق تشکیل پانے والے دانشمندانہ، کریمانہ اور فیاضانہ اخلاق کا خاموش حملہ تھا جو جوق جوق لوگوں کو فتح کرتا گیا۔

پھر جب اس گروہ کو غلبہ ملا تو اس نے اپنی عیاشی کے سامان نہیں کیے۔ اس نے اپنے معاشی مفاد کے لیے کبھی کوئی جنگ نہیں کی۔ اس نے اپنے ہم نفس اور ہم وطن بھائیوں کو خداوندی دلانے کے لیے تلوار اور قانون کو استعمال نہیں کیا، اس نے زیرِ اقتدار آبادی کا خون کبھی نہیں نچوڑا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایران قومیت کے نشہ میں سرشار ہو کر اس سے لڑنے نکلا، مگر اس یقین کے ساتھ کہ میری مغلوبیت مقدر ہو چکی ہے اور ہسپانیہ نے تو خود اس گروہ کے ایک گورنر سے خواہش کی کہ آ اور مجھے فتح کرلے۔

همہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف

بامیدِ آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

پھر ایک مفتوح علاقہ سے جب اس گروہ کو فوجی و سیاسی تسلط اٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے باشندے رو رو کے کہتے تھے کہ ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ، ہم تمہارے نظام کے ماتحت جینا چاہتے ہیں۔ پھر سیاسی تسلط اٹھانے کے ساتھ جزیہ (معاوضۂ انتظام) کی گراں بہا رقم کی واپسی نے اس گروہ کے خادمِ انسانیت ہونے کو قطعی طور پر ثابت کر دیا۔ کیا دنیا بھر کی جدید سیاسی تاریخ میں سے ایسا ایک واقعہ بھی کوئی تلاش کر کے دکھا سکتا ہے؟ پھر اس گروہ کے ایک امیر کی موت پر متعصب عیسائی پادریوں تک نے سوگ منایا۔

اس گروہ نے سوسائٹی میں توافق پیدا کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا کہ کمزوروں کی گردن سے بار اٹھائے اور طاقتوروں کے کندھوں پر رکھ دیے۔ جو جتنا زیادہ ضعیف تھا اس کی ذمہ داریاں اتنی ہی کم اور اس کے حقوق اتنے ہی زیادہ تھے اور جو جتنا قوی تھا اس کی ذمہ داریاں اتنی ہی زیادہ اور حقوق اتنے ہی کم تھے۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی کے امیر کا حال یہ تھا کہ اسے عیاشی کرنے کی مہلت تو کیا ملتی، ضروری حد تک آرام کرنے کی فرصت بھی نہ تھی۔ اس کا دن پبلک کی خدمت میں اور رات خدا کی بندگی میں گذرتی تھی۔ اس کا کھانا، پہناوا اور رہن سہن عوام سے ایک بال بھر بھی بہتر نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ کسی ایسی چیز کے استعمال سے جھجکتا تھا جس کے متعلق اسے یہ یقین نہ ہو کہ یہ پبلک کے ہر ہر فرد کو میسر ہو چکی ہے۔ وہ اس کا ذمہ دار تھا کہ اس کے حدودِ انتظام میں کوئی بھوکا نہ ہو، کوئی دکھی نہ ہو، کسی کا حق نہ چھنے اور کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے کتنی ہی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ کسی کو کھانا پہنچانے خود جا رہا ہے، کسی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، کسی کا سودا سلف خرید رہا ہے، کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تیمارداری یا عیادت میں مصروف ہے اور کسی کوچہ میں لوگوں کی تکلیفیں معلوم کرنے کے لیے گھوم رہا ہے۔

اس گروہ نے کبھی کوئی جنگ ملک گیری، معاشی صیادی اور غلام سازی کے لیے نہیں لڑی، اس کی جنگ صرف ان نظریات سے تھی جو مختلف اجتماعی نظاموں کی اساس بنے ہوئے تھے اور اس کا تصادم ان ظالمانہ دساتیر حیات سے تھا جنھوں نے اولادِ آدم کو مصیبتوں اور دکھوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔

پس اس گروہ کے خلاف انقلاب اٹھانے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ ہاں مگر قانونِ انحطاط نے ضرور اس پر عمل کیا۔ اور بدنیت لوگوں کو جب اس کے نظامِ خدمت کے کلیدی پرزوں کو چھیڑنے کا موقع ملا تو انھوں نے تحریفی تغیرات سے اس کی چال بدل دی۔ لیکن رائے عامہ کے نمائندہ علما و ماہرین سیاست نے بھی ان تحریفی تغیرات کو روکنے کے لیے تجدیدی مساعی کو ہمیشہ جاری رکھا۔ انہی تجدیدی مساعی کا یہ فائدہ ہوا کہ اندرونی روح خدمت پژمردہ ہو جانے کے باوجود قرنوں تک اس نظامِ عدل کا بیرونی ڈھانچہ کسی نہ کسی حد تک برقرار رہا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس گروہ کو آٹھ دس سو سال تک دنیا کے مختلف گوشوں میں کام کرنے کی مہلت ملی۔ شاید اتنی مہلت پچھلے دور میں کوئی گروہ کبھی نہ پا سکا۔ تا آنکہ نظام کی روح اور ڈھانچہ دونوں قطعی طور پر متغیر ہو گئے۔ نظریات حق فکرِ باطل کے عمل سے مسخ ہو گئے اور ضابطۂ عدل خواہشاتی تغیرات کی وجہ سے ظلم کا سرچشمہ بن گیا۔ اب جب اس جماعت نے عام انتفاع پیشہ گروہوں کی سطح پر گرنا پسند کر لیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسے محض اس وجہ سے بحال رکھا جاتا کہ کبھی ایسا اور ایسا تھا۔ فطرت "تھا" کو نہیں "ہے" کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے۔ چنانچہ اس سے جہانی امامت سلب ہو گئی اور اب دنیا جیسی کچھ ہے، آپ کے سامنے ہے۔

اس بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اے، جے، سی، برنشا کے الفاظ میں یہ ہے کہ:-

"انجام کار صرف وہ جئیں گے جو پوری انسانیت کے اصلی تقاضوں کو سمجھ لیں اور انھیں پورا کر سکیں۔"

ایسے ہی ایک گروہ کے ابھرنے کی امید پر انقلاب اور جنگیں نوعِ انسانی کو بار بار الٹ پلٹ رہی ہیں اور یہ فتنہ و فساد کی رَو اس وقت تک انسانی آبادیوں کو ملوث رہے گی جب تک کہ ان میں سے وہی پاکیزہ اور صاف ستھرا گروہ برآمد ہو جائے۔

ایک آخری سوال اب پھر وہی سوال ہمارے سامنے آتا ہے جو انفرادی اخلاقی لغزشوں کے وجوہ دریافت کرتے ہوئے اٹھایا تھا کہ اگر انسانیت ظلم و باطل کی فطرتاً دشمن ہے اور حق و عدل اسے مرغوب ہیں تو پھر ظلم و باطل کو ابھر آنے کا موقع کیسے ملتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ یہاں بھی نظریوں اور ضابطوں کی ساری خرابیاں انہی وجوہ پر مبنی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے انفرادی اخلاقی لغزشوں کے بارے میں کیا تھا۔ یعنی نظریات میں جذبہ آمیز اور خواہش پرستانہ فکر اور تجربی عقل کو مابعد الطبیعی اور تمدنی و حیاتی صداقتوں کی تلاش کے لیے کافی سمجھنا اور ظنیات کو حقائق کا درجہ دینا اور کم معلومات کی بنیاد پر کسی حقیقت کی قطعی تعبیر کر لینا باطل کو در آنے کا موقع دیتا ہے اور ادھر عملیات میں تقسیم انسانیت یعنی کسی گروہ کو برتر اور کسی گروہ کو فروتر قرار دینا، انسانی فطرت کو متغیر ماننا یعنی ملک ملک اور زمانہ زمانہ میں جدا جدا دساتیر وضع کرتے پھرنا اور اسی طرح اجتماعی زندگی کو واحد سلسلۂ اعمال کی حیثیت دینے کے بجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے تقاضوں کو علیحدہ علیحدہ کرکے پیش نظر رکھنا اور ہر تقاضے کا حل یک طرفہ نگاہ سے کرنا، وہ لغزشیں ہیں جو ظلم کو کارفرما کرتی ہیں۔ مگر چاہے ظلم و باطل کے ظہور کی وجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، واقعہ تو یہی ہے نا کہ انسان کو حق و عدل کا تو صرف نام ہی نام مرغوب ہے ورنہ اس نام سے وہ ہر قسم کے باطل اور ہر قسم کے ظلم کو پسند کرتا ہے۔ کیا اس کا یہی مطلب نہیں ہے کہ نظام فطرت ظلم و باطل کی روک تھام اور حق و عدل کے تحفظ و بقا کے لیے کوئی قابل اعتماد اسباب نہیں رکھتا؟ یہ اعتراض بجا ہوتا، اگر فطرت نے نظریات اور عملیات میں باطل اور ظلم کے در آنے کو روکنے کی کوئی صورت تجویز نہ کی ہوتی، لیکن درحقیقت اس نے اس کا اتنا قابل اعتماد سامان کیا ہے کہ اس سے متعارف ہو جانے کے بعد یہ اعتراض باقی نہیں رہتا۔ ہم جہاں انسان کے ذرائع علم کی کمزوریوں کی طرف اور عملی انضباط کے وسائل کی کوتاہیوں کی طرف بار بار اشارہ کرتے چلے آ رہے ہیں وہاں ہمارا فرض یہ بتانا بھی ہے کہ ان کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ازالہ کے لیے فطرت کیا صورتیں مہیا کر چکی ہے، کیونکہ جب اجتماعیات انسانی میں اس کا سارا عمل انسانی شعور و ارادہ پر منحصر ہے تو لازم ہے کہ وہ اسے کج روی سے روکنے کے ٹھوس وسائل مہیا کرے۔ — وہ وسائل کیا ہیں؟ اس کا جواب ہم اپنی آئندہ بحث "شاہراہِ ارتقا" میں عرض کریں گے۔

اس بحث سے صرف یہ واضح کرنا مطلوب تھا کہ نظام ظلم و باطل اجتماعی زندگی کے لیے کبھی بھی نافع نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ انسانیت اس کے خلاف زور کرتی رہتی ہے اور دوسری طرف نظام حق و عدل اس کے لیے فطری طور پر مفید ہے، اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو اس کی طرف بڑھانے کے لیے انقلاب اور جنگ کی شاہراہ پر حرکت کرتی ہے۔ مشکل صرف یہ پیش آتی ہے کہ "نتائج بد" کے ظہور پر وہ یہ تو محسوس کر لیتی ہے کہ کسی مجموعۂ افکار و ضوابط میں باطل اور ظلم کا دخل ہے مگر تحقیق سائنس کے محدود ذرائع علم پر طے نہیں کر سکتے کہ ٹھیک فلاں فلاں امور میں اتنا اتنا باطل اور ظلم دخیل ہے اور اتنا اتنا حق اور عدل کا عنصر باقی رہ گیا ہے۔ بس تاریکی میں وہ ایک طرف سے ٹھوکر کھاتی ہے تو دوسری طرف مڑ جاتی ہے، پھر ادھر سے جب پاؤں کانٹوں سے چھلنی ہوتے ہیں تو روتی پیٹتی تیسری طرف لپکتی ہے — مگر چراغ لے کر چلنے سے چڑتی ہے، کیونکہ "دزدانِ چراغ بکف" سے بہت خوفزدہ ہے، بہرحال یہ چڑ کسی طرح دور ہو جائے تو امر واقعہ یہ ہے کہ دیا، بتی، تیل سبھی کچھ فطرت نے فراہم کر رکھا ہے۔

فہرست کتب مکتبہ جماعت اسلامی

تفہیمات [illegible]	مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش [illegible]	پردہ [illegible]	اسلام کیا ہے؟ (انگریزی) [illegible]	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے [illegible]
دینیات (قسم اول) [illegible]	" " (حصہ دوم) [illegible]	مجلد [illegible]	جہاد فی سبیل اللہ [illegible]	
" (" دوم) [illegible]	" " (ہر سہ حصہ مجلد) [illegible]	حقیقت توحید [illegible]	اسلام اور جاہلیت [illegible]	انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل [illegible]
" (انگریزی) [illegible]	تجدید و احیائے دین [illegible]	سلامتی کا راستہ [illegible]	اسلام کا نظریۂ سیاسی [illegible]	
مسئلہ جبر و قدر [illegible]	روداد جماعت اسلامی (حصہ سوم) [illegible]	نشان راہ [illegible]	دستور جماعت اسلامی [illegible]	
خطبات (قسم دوم) [illegible]	" " (حصہ سوم) [illegible]	نیا نظام تعلیم [illegible]	ایک اہم استفتاء [illegible]	

نوٹ:- جن کتابوں کے نام فہرست میں موجود نہیں ہیں ان کے متعلق سمجھیے کہ وہ اسٹاک میں ختم ہیں۔

© rasailojaraid.com